حافظ منظور احمد ایم اے لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

اسلامی قانون اور اس کی تدوین جدید

اسلام کا تصور قانون

اسلام کا تصورِ قانون یہ ہے کہ قانون خدا کی طرف سے انسان کے لیے ایک حکم اور رہنمائی ہے۔ اور انسان کی پوری زندگی سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا تصور قانون مغربی تصورِ قانون کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور جامع نوعیت کا ہے۔ اسلام میں فکر و نظر سے لے کر اصول اخلاق تک اور شخصی کردار سے لے کر معاشرتی قوانین تک اور خاندانی ضابطوں سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک ہر چیز کی رہنمائی ایک ہی سرچشمہ سے آتی ہے اور ساری رہنمائی بحیثیت مجموعی ایک قانون بنتی ہے۔ اس قانون کے کسی حصّہ کو فرد خود اپنے اوپر نافذ کرتا ہے اور کسی حصّہ کو معاشرہ اپنی اجتماعی رسومات کے ذریعے نافذ کرتا ہے اور کسی حصّہ کو حکومت اپنی عدالتوں اور انتظامی مشینری کے ذریعے نافذ کرتی ہے مگر اس کے تمام اجزاء قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے ایک خط میں انہی حقائق کو یوں بیان کرتے ہیں "اسلام میں انفرادی اور اجتماعی عصبیت دونوں حدود مقرر ہیں۔ انہی کا نام شریعت ہے میرے عقیدے کی رو سے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدے کی رو سے ان حدود کے اندر رہنا فلاح اور ان سے تجاوز کرنا بربادی ہے۔ یہ تصادم صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب ان کی حدود سے تجاوز کیا جائے۔ مسلمان جب تک مسلمان ہے وہ اسلامی قانون کے کسی جزکی قانونی قدر سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسلامی اور انسانی قانون میں فرق

(۱) انسانی قانون کے قانونی ہونے کا تمام تر انحصار اس

بات پر ہے کہ اُسے شیخ، قبیلہ یا بزرگ خاندان کی منظوری حاصل ہے۔ یاکسی عدالت نے اس پر عمل کیا ہے یاکسی حکومت نے اُسے تسلیم کیا ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی حیثیت اُسے حاصل نہ ہو تو اس کی قانونی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اس کے برعکس اسلامی قانون کی قانونیت ان چیزوں میں سے کسی کی محتاج نہیں ہے وہ ہر حال میں قانون ہے کوئی عدالت اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یا کوئی حکومت اُسے مانے یا نہ مانے۔

۲۔ انسانی قانون اپنے ساتھ احترام و تقدس کا کوئی پہلو نہیں رکھتا ہے وہ آدمی کے ایمان کا جزو نہیں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق آدمی کا یہ تصور نہیں ہوتا ہے کہ جس نے اسے یہ قانون دیا ہے وہ اس کی فرمانبرداری یا نافرمانی کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کی اطاعت سے جنت ملتی ہے اور اس کی نافرمانی سے دوزخ میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قانون خدا کا قانون ہونے کی وجہ سے نہایت مقدس مانا جاتا ہے۔ وہ ہر مسلمان کے ایمان کا جز ہوتا ہے۔ جسے مانے بغیر اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا ہے اس قانون کے دینے والے کے بارے میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ نیز ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے مانے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

۳۔ انسانی قانون کا اصلی رُوپ زندگی کے اندر صرف منفی قسم کا ہے جو چیز اسے وجود میں لاتی ہے خود اس کے اپنے ماہروں کے مطابق یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر تعدی اور دست درازی سے روکا جائے۔ اگر انسان کے اندر یہ خرابی نہ ہوتی تو اس کی سرے سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس کے برعکس اسلامی قانون اپنی ضرورت صرف تعدی اور دست درازی کی روک تھام ہی نہیں بتاتا بلکہ اس کا اصلی کام انسان کی رشد و ہدایت ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تکمیل کے لیے اس کا محتاج ہے۔ حالاتِ زندگی کی اصلاح میں اس کا رول منفی سے زیادہ مثبت ہے۔ ایک اسلامی ریاست اور مملکت دوسری حکومتوں کی نسبت زیادہ وسیع ذمہ داریاں رکھتی ہے۔

۴۔ انسانی حقوق کی اصل بنیاد عرف و عادات اور رسم و رواج پر ہے خاندانوں اور قبیلوں

۱۔ خطبات قاضی نذیر احمد اقبال نامہ جلد دوئم ص ۲۰۰ (؟)

میں جو باتیں رواج پکڑ گئیں انہی چیزوں نے ضرورت کے وقت قانون کا درجہ حاصل کر لیا۔ ان میں علمی اور فلسفیانہ نظریات کی آمیزش بعد میں زمانہ کی ترقی سے ہوئی۔ ان کے ابتدائی مواد میں خاندانی اور قبائلی رواجات اور تعصبات کی تمام تنگ نظریاں ملی ہوئی ہیں۔ البتہ اب ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا جانے لگا ہے کہ اٹھارویں صدی کے اواخر سے اس کو رحم۔ عدل اور مساوات وانسانیت کی عالمگیر بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ ماضی اور حاضر میں کوئی ربط نہیں اور اس کے مستقبل کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کیا شکل اختیار کرے گا۔ اس کے برعکس اسلامی قانون اپنے روزِ اوّل ہی سے انسانی فطرت اور خدا کی دی ہوئی ہدایت پر مبنی ہے۔ اس میں خاندانوں کے رجحانات اور تعصبات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر رسم و رواج اس میں دخل رکھتے ہیں تو ایک محدود گوشہ کے اندر اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ خدا اور رسول کی ہدایت کے خلاف نہ ہوں اس کے ماضی اور حاضر میں گہرا ربط ہے اور مستقبل میں اس کی ترقی کے خطوط بھی بالکل متعین ہیں۔ انسانی قانون عدل و مساوات اور رحم وانسانیت کی جس منزل پر پہنچنے کی آرزو کر رہا ہے اسلامی قانون کا پہلا قدم وہیں سے اٹھا ہے۔

۵۔ قانون میں وحدت و یکسانیت ایک مطلوب شی ہے۔ اس کے بغیر اس کا اصل مقصد قیام عدل پورا نہیں ہو سکتا ہے لیکن انسانی قانون کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اوّل تو اس میں وحدت و یکسانیت ہے ہی نہیں۔ اگر کسی حد تک ہے بھی تو وہ اس کے مزاج کے تقاضے سے وجود میں نہیں آتی بلکہ ریاست نے مصنوعی طور پر اپنے مصالح کے تحت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ بین الاقوامی ادارے زور لگا رہے ہیں کہ اقوام میں جو قوانین کا اختلاف پایا جاتا ہے اسے دور ہونا چاہیے اور ان میں ہم رنگی اور یکسانیت پیدا ہونی چاہیے۔

فقہ اسلامی میں جمود

۱۔ فقہ اسلامی میں جمود کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مغرب کی لادینی افکار کے تحت جو اٹھارویں صدی

لے ملاحظہ ہو مرجان سلونڈ کی کتاب اصول قانون ص ۴۱)

کے اواخر میں پوری طرح زور پکڑ چکے تھے۔ عموماً مسلمان حکومتوں نے بھی غیر اسلامی قوانین بنانے شروع کر دیے۔ ایک محدود ایسیا کے سوا اجتماعی وسیاسی زندگی کے ہر گوشے میں وضعی قوانین دخیل ہو گئے۔ جن مسلمان ملکوں میں مغربی اقوام کا عملاً تسلط ہو گیا وہاں تو اسلامی قوانین کا پڑھنا پڑھانا بھی محض عربی مدرسوں میں تبرکاً رہ گیا۔ جب طبیعتیں اس حد تک کند ہو جائیں تو اس کے سیکھنے سکھانے کا ذوق بھی مردہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کے اندر اجتہاد کا ولولہ پیدا ہو۔

۲۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی ضروریات کے لیے اپنے نظریات کی درسگاہیں قائم کیں اور ان میں وہ علوم پڑھائے جاتے تھے جنھیں وہ خود مسلم سمجھتے تھے۔ یا جن کی انھیں ضرورت تھی دوسرے لوگ جو لوگ اسلامی دَرد رکھتے تھے انھیں اپنے اسلامی ورثہ کی فکر ہوئی اور انھوں نے پرانی طرز کی درسگاہیں سنبھالیں۔ نئی درسگاہوں میں اسلامی علوم کا گذر نہیں تھا اور پرانی درسگاہوں میں نئے علوم حرام تھے۔ نئی درسگاہوں میں بہت چیخ و پکار کے اگر کچھ اسلامی علوم کو جگہ ملی تو اس کی حیثیت اکبر مرحوم کی زبان میں بادہ مغرب میں تھوڑی سی زمزم سے زیادہ نہیں تھی۔ اسی طرح اسلامی مدارس کی اصلاح کی تحریک کے تحت بعض عربی مدارس میں نئے علوم نے جگہ لی تو بس اتنی کہ عربی خواں طلبہ کی زبان پر کچھ انگریزی کے الفاظ چڑھ گئے۔ نہ دینی علوم کی ہوا انہیں لگی اور نہ جدید افکار سے یہ آشنا ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی تسلط اور جدید درسگاہوں کے سرکاری اہتمام نے ان درس گاہوں کو ایسی کسمپرسی میں ڈال دیا کہ انھوں نے جن علوم وفنون پڑھنے اور پڑھانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ان کے لیے سرمایہ حاصل کرنا انھیں مشکل ہو گیا چہ جائیکہ وہ جدید علوم کی تدریس کا اہتمام کرتیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ نئی درسگاہوں سے تعلیم پا کر نکلے وہ دین سے بے بہرہ نکلے اور جنھوں نے پرانی درسگاہوں میں تعلیم پائی وہ اپنی گرد و پیش کی دُنیا سے بے خبر نکلے۔ ان نکلنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو جو اجتہاد کے لیے ضروری ہیں۔

۳۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف فقہی گروہوں میں عصبیت و تعصب نے بھی پیدا ہو کر بڑا نقصان پہنچایا۔ اس تعصب کے سبب سے ہر گروہ نے حق کو اپنے اپنے مسلک فقہی کے اندر محصور کر لیا اور ائمہ اور علماء کی اجتہادی رایوں پر اُن کے دلائل کی روشنی میں غور کرنا اور صحیح اور سقیم میں امتیاز کرنا

بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس طرح کی تحقیق و تنقید کی سب سے زیادہ ضروری تاکید ہمارے ائمہ ہی نے کی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس کا ایک سبب یہ ہے۔ کہ اسلامی نظام اور اسلامی علوم کے زوال و انحطاط کے سبب ایسے لوگوں کا پیدا ہونا کم ہوگیا جو اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے ہوں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ وقت کے نظام میں وہ صلاحیت ہو جس سے بلند پایہ عالم پیدا ہوں لیکن وقت کا نظام اس صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔

۴۔ اس کا ایک سبب مسلمانوں کا اخلاقی زوال ہے اس اخلاقی زوال کے سبب ذہین و فطین لوگ حکمرانوں کے درباروں سے وابستہ ہوگئے۔ ان کی خوشنودی اور مقصد براری کے لیے اُنھوں نے اجتہادات کئے اور فتوے صادر کیے۔ اگر اُن میں ذہانت و علم کے ساتھ ان میں اخلاقی بلندی بھی ہوتی جو مجتہد کے لیے ایک ضروری شرط ہے تو مسلمان ضرور اُن کے اجتہاد پر اعتماد کرتے لیکن لوگوں نے ان کی دین فروشی دیکھ کر سلامتی اسی بات میں جانی کہ اجتہاد کی بجائے اگلوں کی تقلید پر ہی قناعت کی جائے جن کے علوم و سیرت پر لوگوں کو اعتماد تھا۔

اسلامی قانون کی تدوینِ جدید

۱۔ تدوینِ قانون کے کام کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں میں رواداری کی اسپرٹ پیدا کی جائے لوگ حنفی، شافعی اہل حدیث کی اصطلاحات میں بات کرنا چھوڑ دیں۔ فقہ خواہ امام ابوحنیفہ رح کی ہو یا امام مالک رح کی، امام شافعی رح کی یا امام احمد بن حنبل رح کی سب ہماری اپنی فقہیں ہیں۔ یہ سب امام ہمارے مشترکہ امام ہیں۔ ان کے حق یا خلاف میں ہمیں بے جا تعصب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ صحیح اصول یہ ہے کہ مختلف مسائل میں جس کا اجتہاد بھی ہمیں کتاب و سنت کے زیادہ موافق اور حالات و مصالح سے زیادہ ہم آہنگ نظر آئے۔ اسے اختیار کر لیا جائے اجتہادی مسائل میں اسلام نے ہمیں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی رح کی پیروی کی ہدایت نہیں کی ہے بلکہ اس اجتہاد کی ہے جو کتاب و سنت سے زیادہ موافق نظر آئے اس بات کی تاکید خود ان ائمہ کرام نے بھی کی ہے۔ اگر ہم تدوینِ قانون کے معاملہ میں یہ روشن اختیار کر لیں تو اس سے کئی فوائد ظاہر ہوں گے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے ملک کا قانون کسی متعین فقہ پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ براہِ راست اسلامی قانون کے ماخذ پر ہوگا دوسرا اس قانون پر ملک کے تمام فرقوں کا اعتماد ہوگا۔ اس کا تیسرا فائدہ

یہ ہوگا کہ ہم ایسا ضابطہ قانون بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے جو موجودہ دور کے تمام تقاضوں کو بہتر سے بہتر طریقے سے پورا کر سکے گا۔ چوتھا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح ہم اپنے معاشرہ اور نظام زندگی کو فرقہ دارانہ تعصبات اور اُن کی خرابیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ تدوین قانون کے کام میں ہر مرحلے میں یہ حقیقت پیش نظر رکھی جائے گی کہ مسلمان کتاب وسنت کی جن تعبیروں پر اعتماد رکھتے تھے انہی تعبیروں پر مبنی ضابطہ قانون بنایا جائے گا۔ اگر اپنی طرف سے کوئی نئی تعبیر پیش کی جائے گی تو لوگ ہرگز اسے قبول نہیں کریں گے۔ اگر غلط طریقے سے اسے لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے نتائج نہایت مضر نکلیں گے۔ کسی نئی چیز کی تعبیر پیش کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ لیکن ہر کام کے لیے ہر شخص موزوں نہیں ہوتا ہے جو کام امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ نے سرانجام دیا اگر وہی کام ہر کوئی کرنا شروع کرے تو مسلمان کس طرح ان پر اعتماد کریں گے۔ ان ائمہ کے کاموں پر ہر شخص کو جو اعتماد اور اعتقاد ہے وہ صرف قدامت پرستی اور اندھی تقلید کا نتیجہ نہیں بلکہ کتاب وسنت کی توجیہ اور مضمرات کی وضاحت کے لیے جو علم ان کے پاس تھا اس کی شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے سلامتی کا راستہ یہی ہے۔ کتاب وسنت کی تعبیر میں سلف صالحین کی پیروی کی جائے یعنی جن معاملات میں ان ائمہ کرام کے اجتہادات موجود ہوں ان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی جائے۔

۳۔ البتہ جن معاملات میں پچھلے ائمہ کے اجتہادات موجود نہ ہوں۔ ان میں بہتر شکل یہ ہوگی کہ مختلف ملکوں کے ذی علم اور مستند علماء نے جو فتوے دئے ہیں یا جو رائیں ظاہر کی ہیں وہ سب کی سب جمع کرلی جائیں۔ ان میں جو رائے زیادہ مستحکم نظر آئے وہ اختیار کرلی جائے۔ لیکن اب ایسے مسائل بھی موجود ہیں جن پر تاحال غور نہیں کیا گیا۔ اس طرح کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ضروری مواد فراہم کیا جائے اور ذی صلاحیت حضرات کی ایک جماعت ان کی تحقیق پر لگائی جائے تاکہ ان کے نتائج سے تدوین قانون میں فائدہ اٹھایا جاسکے۔

۴۔ جو احکام عرف اور مصلحت پر مبنی ہیں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی آجاتی ہے اس سے اسلامی قانون میں وہ لچک پیدا ہوجاتی ہے جس سے وہ بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا پورا ہوسکتا ہے اسلامی قانون کے دیگر دائروں میں جس طرح تبدیلیاں کرنا گناہ ہے اسی طرح اس دائرہ میں جمود پیدا کرنا بھی گناہ ہے۔